ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1108

اتوار 27 ربیع الثانی 1445ھ مطابق 12 نومبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

منبرِ ایوبی

اس دن کیا ہوا تھا؟

القرآن

آرائشِ دنیا کے خواستگار

اور جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کے ساتھ خود کو لگائے رکھو اور تمھاری نگاہیں اُن سے (گزر کر دوسری طرف) نہ دوڑیں کہ تم زندگانی دنیا کی آرائش کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اس کا کہنا نہ ماننا۔ (سورۂ کہف: ۲۸)

الحدیث

محبوب بننے کا گر

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایک ایسا عمل بتائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی محبت کرنے لگیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی اور زہد اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور اہل دنیا کے مال ومتاع سے بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔'' (ابن ماجہ)

رخشی اور چڑیا

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے بشر اور پہلے نبی تھے۔ مشیتِ الٰہی سے زمین پر اتارے گئے تو جب تک اپنی اہلیہ محترمہ اور ہماری اماں سیدہ حوا سلام اللہ علیہا سے ملاقات نہ ہوگئی، برسوں تک آپ کا سامنا صرف جانوروں ہی سے رہا۔ درند، چرند، پرند وحشرات سے۔ گویا اِس زمین پر انسان کا پہلا تعلق ملائکہ کے بعد حیوانوں سے بنا۔ اِس لیے کہا جاسکتا ہے کہ انسان نے جب پہلی کہانی اپنے بچوں کو سنائی ہوگی تو اُس میں جانوروں کے علامتی کردار ضرور ہوں گے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ زمانۂ قدیم ہی سے ادب میں جانوروں کو علامتی انداز میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ خصوصاً مسلمان اہلِ قلم نے قرآن کریم میں جانوروں سے متعلق سچے قصص سے متاثر ہوکر ادب میں جانوروں کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا۔

جانوروں کے کرداروں کے ذریعے ایک ادیب دراصل اپنے اردگرد زندگی بسر کرتے انسانوں ہی کی کہانیاں پیش کرتا ہے لیکن براہِ راست نصیحت کرنے کی بجائے بے زبان جانوروں کو واسطہ بناتا ہے اور یوں بڑے بڑے اخلاقی اسباق ایسے دلنشین انداز میں بیان کرتا جاتا ہے کہ پڑھنے سننے والے کے دل میں ہمیشہ کے لیے اتر جاتے ہیں۔ اِس طرز سے نہ صرف کہانی میں دلچسپی بڑھتی ہے، غیر محسوس انداز میں قاری کی تربیت ہوتی ہے، بلکہ بے زبان جانوروں کے بولتے کرداروں پر مشتمل یہ دلچسپ کہانیاں تادیر حافظوں میں محفوظ بھی رہتی ہیں۔

مثلاً جناب فریدالدین عطار کی ایک شاندار کہانی ''منطق الطیر''، ہم نے بچپن میں پڑھی تھی جسے کبھی بھلانہ پائے۔ اِس کہانی میں تمام پرندے ایک بار فیصلہ کرتے ہیں کہ انھیں بادشاہ کی ضرورت ہے۔ ہُدہُد اصرار کرتا ہے کہ پرندوں کا ایک بادشاہ پہلے ہی موجود ہے جس کا نام سیمرغ ہے، جسے ڈھونڈنے کے لیے لمبے سفر اور اُڑان کی ضرورت ہے، اور بس پھر ایک نہایت طویل، پراسرار اور پرخطر سفر شروع ہوتا ہے، جس کی روداد نہایت دلچسپ اور جس کا انجام نہایت غیر متوقع ہے!

یہ ایک بہت ہی خوبصورت علامتی وتمثیلی کہانی تھی جو دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔

ایک اور مسلمان ادیب اخوان الصفا کی ہزار سال قبل لکھی گئی ''جانوروں کا مقدمہ'' بھی ایک ایسی ہی بہترین کہانی ہے جس کے بنیادی خیال ''جنگل کے بادشاہ کی عدالت میں انسان کے خلاف جانوروں کا مقدمہ'' پر آج ہزار سال بعد بھی لکھاری کہانیاں لکھ رہے ہیں۔

جانوروں کی تمثیلی اور سبق آموز کہانیوں کے ہزاروں برس کے اس سفر میں مولانا رومی اور شیخ سعدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نام سے لے کر ''رڈیارڈ کپلنگ'' تک ادباء کی ایک طویل فہرست ہے، جنھوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے یہ سلسلہ برقرار رکھا۔

کپلنگ کی بات آئی ہے تو اس کی مشہور زمانہ کتاب جنگل بک (jungle Book) کی مقبولیت کی مثال دی جاسکتی ہے جو اگرچہ ۱۸۹۴ء میں لکھی گئی لیکن آج بھی بھیڑیوں کا ایک انسان کے بچے موگلی کو پالنا اور شیر خان کی یہ کہانی بچے ہی نہیں بڑے بھی بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔

عصر حاضر میں بھی ہمارے اردو مصنّفین خصوصاً بچوں کے لیے لکھنے والے ادیب جانوروں اور پرندوں کے کرداروں کو علامت بنا کر بہترین کہانیاں تخلیق کررہے ہیں۔ اُن میں جناب عتیق احمد صدیقی کی مشہور جنگل کہانیوں کے بعد اب اپنی تازہ ترین کتاب ''رخشی اور جادوئی چڑیا'' کے ساتھ جناب ندیم اختر بھی شامل ہوگئے ہیں۔

لیہ سے تعلق رکھنے والے ندیم بھائی بچوں کے ادب کا ماشاءاللہ ایک مقبول اور معتبر نام ہیں۔ آپ نے ادبِ اطفال کی صرف بحیثیت لکھاری ہی خدمت نہیں کی بلکہ لکھنے کے ساتھ ادب اطفال کے لیے آپ کی خدمات کے اور بھی کئی بہت اچھے حوالے ہیں۔ آپ ایک سہ ماہی اخبار نوائے ادیب کے مدیر بھی ہیں، مزید برآں حال ہی میں آپ نے بچوں کے ادب کی ترقی کے لیے ایک تحریک بھی شروع کی ہے، جس کا ایک بہت شاندار پروگرام جولائی میں لاہور کے پاک ٹی ہاؤس میں منعقد ہوچکا ہے، جبکہ بہت جلد ملتان، اسلام آباد اور کراچی کا بھی ارادہ ہے۔ اس تحریک کا بلاشبہ یہ حق ہے کہ اس پر علیحدہ سے ایک دستک لکھی جائے، سوان شاءاللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔

خیر بات ہورہی تھی ندیم بھائی کی تازہ کتاب ''رخشی اور جادوئی چڑیا'' کی جس پر ہم سے تبصرے کے لیے انھوں نے فرمائش کی، اور اوپر تبصرہ تو آپ نے پڑھ لیا، مختصر یہ ہے کہ کتاب میں بیس کہانیاں ہیں جو سبھی اچھی ہیں، مگر اُن میں جانوروں کے کرداروں والی آٹھ کہانیاں ہمیں زیادہ دلچسپ اور نئی محسوس ہوئیں۔ اِن کرداروں میں چڑیاں بھی ہیں، خرگوش بھی۔ بکریاں بھی ہیں اور مگرمچھ بھی۔ خاص طور پر محافظ، منڈیر کالا، رخشی اور جادوئی چڑیا بہترین کہانیاں تھیں، سو یہ تبصرہ دراصل انہی آٹھ کہانیوں پر لکھا گیا۔

اچھا یوں تو ندیم اختر بھائی کی بچوں کے لیے سات کتابیں ہیں، اس وقت مگر چار ہی دستیاب ہیں اور اُن چاروں کی کل قیمت 1900 روپے ہے، بچوں کا اسلام کے قارئین کے لیے مگر خصوصی رعایت 1250 روپے ہے، سو گھر بیٹھے اگر آپ یہ سیٹ منگوانا چاہیں تو اس نمبر پر رابطہ کرسکتے ہیں: (03351620824)

سیٹ کے علاوہ اگر چاہیں تو صرف یہ ایک کتاب بھی منگواسکتے ہیں۔

جناب ندیم اختر کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں کہ اسی طرح ادب اطفال کو اپنی بہترین صلاحیتوں سے نکھارتے رہیں، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

جواہرات سے قیمتی

☆......پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

☆......یقین اور دعا نظر نہیں آتے مگر ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔

☆......عظیم لوگ مرجاتے ہیں لیکن موت ان کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے۔

☆......انسان کے پاس صرف علم کا ہونا کافی نہیں، ادب کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ جس میں ادب نہیں اس میں علم نہیں۔

☆......شیخی انسان کے دل میں چپکے سے پیدا ہوکر اسے تباہ کر دیتی ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا۔

☆......دوست کے غم میں بغیر بلائے جاؤ اور دوست کی خوشی میں تب تک نہ جاؤ جب تک وہ بلائے نہیں۔

☆......سحر کے وقت ایسے پیغام بھیجو جن کی روشنائی آنسو ہوں، جن کے کاغذ رخسار ہوں، جن کی ڈاک قبولیت ہو، جن کا رخ عرش الٰہی کی طرف ہو پھر جواب کے منتظر رہو۔

انتخاب: معلمات جامعۃ الحسنین للبنات۔ بستی خیرانوالہ۔ گڑھا موڑ

مسکراہٹ کے پھول

☆......بچہ (ماں سے): ''امی ہمارے برابر والے گھر میں نئے پڑوسی آئے ہیں۔ ان کے گھر ایئر کنڈیشنر بھی ہے۔''

ماں: ''ٹھیک ہے بیٹا! ہم ان سے تار لے لیں گے۔''

☆......ایک ماں اپنے بچے کو ماہر نفسیات کے پاس لے کر گئیں۔ بچے سے بہت سے سوالات کرنے کے بعد ماہر نفسیات نے کہا:

''بچے کی تحلیل نفس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بچہ لاشعوری طور پر عدم تحفظ کا شکار ہے۔''

ماں نے پریشان ہو کر کہا: ''لیکن میں تو اسے اس لیے آپ کے پاس لائی تھی کہ اس کی وجہ سے پورا محلہ عدم تحفظ کا شکار ہے۔''

☆......ایک ماں اپنے شوہر کو بچے کی عادتوں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

''ہمارا بچہ بہت ذہین ہے۔ جب یہ چلتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بڑا افسر چل رہا ہو۔ مطمئن اتنا ہے جیسے ملک کا وزیر اعظم ہو۔ باخبر اتنا ہے جیسے وزیر اطلاعات و نشریات ہو۔ سمجھدار اتنا ہے جیسے قائد حزب اختلاف ہو۔''

شوہر نے کہا: ''اندازہ لگا کر بتاؤ کہ یہ جیل میں کتنا عرصہ رہے گا۔''

☆......ایک بوڑھا جنگل میں جا رہا تھا کہ اس کے سامنے ایک شیر آ گیا۔

شیر نے اس سے کہا: ''آہاہاہا! میں تمھارا خون پی جاؤں گا۔''

بوڑھے نے جواب دیا ''میرا خون مت پیو، میرے پیچھے ایک جوان آدمی آ رہا ہے۔ اس کا خون گرم ہوگا۔ تم اس کا خون پی لینا۔''

شیر نے کہا ''نہیں! آج میرا کولڈ ڈرنک پینے کا موڈ ہے۔''

☆......دو دوست آپس میں بیٹھے بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: ''کاش میں وقت ہوتا، دیکھو نا بھئی تمام لوگ وقت کی کتنی قدر کرتے ہیں، ہر کوئی وقت کا غلام ہوتا ہے اور وقت کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔''

''ہونہہ!'' دوست نے منہ بنا کر کہا: ''اگر تم وقت ہوتے تو لوگ تمھارے لیے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے۔''

''وہ کیوں بھئی؟'' پہلے دوست نے پوچھا۔

''لوگ کہتے کہ ہٹ جاؤ، بھئی دیکھو کتنا برا وقت آ رہا ہے۔''

☆......ایک بوکھلائے ہوئے شخص نے پولیس اسٹیشن فون کر کے ایس ایچ او کو بتایا کہ اندھیرے لان میں کسی حملہ آور نے اس کے ماتھے پر ڈنڈا رسید کیا ہے۔ ایس ایچ او نے فوراً کانسٹیبل کو تفتیش کا حکم دیا۔ کانسٹیبل تھوڑی دیر بعد ماتھے پر گومڑ لیے ہوئے واپس آیا اور ایس ایچ او سے کہنے لگا:

''میں نے گتھی سلجھا لی ہے سر!''

ایس ایچ او بولا: ''شاباش مگر تم نے یہ کام اتنی جلدی کیسے کر لیا؟''

کانسٹیبل کہنے لگا: ''محض اتفاق سے...... ہوا یہ کہ اندھیرے میں میرا پاؤں بھی اسی پھاؤڑے پر پڑ گیا تھا۔''

☆......دو سفری سیلز مین بہت عرصے بعد ملے۔ ایک نے حالات کا شکوہ کرتے ہوئے کہا: ''آج کا دن تو بہت ہی برا گزرا۔ کہیں ڈانٹ پھٹکار سننے کو ملی تو کہیں گالیاں۔ کہیں لوگوں نے منھ بنا کر دروازہ بند کر لیا اور کہیں لوگ گرجنے برسنے لگے۔ فروخت کچھ بھی نہ ہوا۔''

دوسرے سیلز مین نے پوچھا: ''آج کل کیا فروخت کر رہے ہو؟''

''اخلاق سنوارنے والی کتابیں۔'' پہلے سیلز مین نے جواب دیا۔

☆......☆

انتخاب: سعید عزیز۔ شاہدرہ لاہور

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زر تعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے
انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

''عمر! تمہیں اپنے کام میں کامیابی ہوئی؟''

اسد نے تجسس سے اپنے چچا زاد بھائی عمر کو لکڑیوں اور ایک چھوٹی آری کے ساتھ کام کرتے دیکھ کر کہا۔

عمر کے والد بہت ماہر بڑھئی تھے۔ اُن کی مارکیٹ میں اپنی دکان تھی۔ اسکول سے آنے کے بعد شام میں عمر دُکان میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے آجاتا تھا۔ اب تو وہ کافی کام سیکھ چکا تھا۔

عمر پچھلے کئی دنوں سے اِن لکڑیوں کو جوڑ کر کچھ بنانا چاہ رہا تھا مگر ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔

''نہیں، ابھی تک تو نہیں۔'' عمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن مجھے امید ہے کہ میں جلد ہی کامیاب ہو جاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ!''

اس نے پرامید لہجے میں جواب دیا۔

''اچھا یار! آج تو بتا ہی دو کہ آخر بنا کیا رہے ہو؟ کیا اسکول سے کوئی پراجیکٹ ملا ہے؟'' اسد نے اشتیاق سے پوچھا۔

ویسے اس کی یہ عادت اچھی تھی کہ جب تک کوئی خود سے کوئی بات نہ بتائے وہ پوچھتا تھا نہ تجسس کرتا تھا، کئی دن سے عمر کا اچھا دوست ہونے کے باوجود اس نے یہ بات نہیں پوچھی تھی مگر آج اشتیاق غالب آگیا تھا۔ وہ دونوں اچھے دوست تھے۔ ہم عمر اور نویں جماعت کے طالب علم تھے مگر دونوں کے اسکول الگ تھے۔

''نہیں! اسکول کا پراجیکٹ تو نہیں ہے۔'' عمر نے اسد کی جانب دیکھا۔ ''کسی نے ایک امانت حوالے کی تھی، اُس کی حفاظت نہیں ہو پائی لیکن اب وہ امانت لوٹانی ہے۔'' عمر کے چہرے پر غم وفکر کے سائے لہرا کر رہ گئے تھے۔

''اچھا چلو مجھے امی جان نے مارکیٹ سے کچھ سودا لانے کا کہا ہے، تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

اسد نے مزید کریدنے کی بجائے بات بدل دی۔

پھر وہ دونوں مارکیٹ کی جانب چل پڑے۔

☆......☆

'' عمر بیٹا! آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں! بس اب سو جائیں۔''

امی جان نے عمر کے کمرے سے روشنی آتی دیکھی تو اس کے پاس چلی آئیں۔

عمر اپنے بستر پر بیٹھا تکیے سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔

'' امی جان!'' اس نے سر اٹھا کر امی جان کی طرف دیکھا تو اس کی سرخ بھیگی آنکھیں دیکھ کر امی جان کا دل کانپ گیا۔

''کیا ہوا عمر؟ تم رو کیوں رہے ہو؟''

''اگست کا مہینہ شروع ہوتا ہے ناں امی جان! تو میرا دل بہت اداس اور بوجھل ہو جاتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت کمزور اور بے بس محسوس کرتا ہے۔''

وہ بہت اداس تھا۔

امی جان نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ اس کا دُکھ سمجھ رہی تھیں۔

کچھ عرصہ پہلے عمر کی آن لائن ایک تیرہ سالہ فلسطینی بچے نائل سے ملاقات ہوئی تھی جس کے سب گھر والے اسرائیلی دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید کیے جا چکے تھے اور ترکی کی ایک فلاحی تنظیم کے بے اولاد رُکن نے اس بے یارو مددگار بچے کو گود لے لیا تھا۔ یہ بچہ اب نہ صرف ترکی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا بلکہ فلسطین سے متعلق نیٹ پر اپنا ایک پیج بھی چلا رہا تھا اور دنیا بھر میں اپنے ہم عمر بچوں کو فلسطینی بچوں کے دکھ سے بھی آگاہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نائل کی انہی کوششوں کے باعث عمر اہلِ فلسطین کے دکھ اور امت کی غفلت کو محسوس کر رہا تھا۔

''مگر امی جان! اس مرتبہ میں نے عزم کیا ہے کہ بے بسی کا یہ احساس اتار پھینکوں گا اور عملی طور پر ضرور ضرور کچھ نہ کچھ کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

اب عمر کی آواز و انداز میں امید اور اعتماد تھا۔

امی جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی کامیابی کی دعا کی اور سو جانے کی تلقین کرتے ہوئے بتی بجھا کر چلی آئیں۔

☆......☆

عمر کے اسکول میں صبح کی اسمبلی ہو رہی تھی۔

آج اسمبلی کروانے کی باری عمر کی جماعت کی تھی اور اسمبلی میں پریزینٹیشن عمر نے دینی تھی۔ اپنی باری پر وہ اعتماد سے چلتا ہوا اسٹیج تک آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ عجیب سی چیز بھی تھی۔

سب طلبہ حیران تھے کہ عمر اپنے ساتھ کیا لے کر آیا ہے؟

''عزیز ساتھیو! آپ حیران ہیں کہ اپنے ساتھ میں کیا لے کر آیا ہوں؟ تو سنیے یہ منبر صلاح الدین ایوبی کا لکڑی سے بنایا گیا ایک ماڈل ہے۔ اِسے میں نے خود اپنے ہاتھوں

سے بنایا ہے۔''

''منبر صلاح الدین ایوبی!؟''

کچھ لڑکے بڑبڑائے۔ اُن کے لیے یہ سب بہت نیا تھا۔

''جی ہاں منبر صلاح الدین ایوبی۔ عزیز ساتھیو! ہم سب کو تمام انبیائے کرام اور بالخصوص اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا عقیدت و محبت ہے۔ آپ سے وابستہ ہر شے ہمیں عزیز تر ہے، یہی وجہ ہے کہ جب پہلی صلیبی جنگ (The First Crusade) گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں مسیحی یورپ کی جانب سے مسلمانوں پر مسلط کی گئی اور جس کے نتیجے میں ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء میں القدس شہر اور مسلمانوں کی تیسری مقدس ترین مسجد، وہ مسجد جہاں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج میں تمام انبیا کرام علیہم السلام کی امامت کروائی اور جہاں سے آپ سفر معراج پر روانہ ہوئے، پر صلیبیوں نے قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا تو انبیاء کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دَم بھرنے والوں کی آنکھوں سے نیندیں اور لبوں سے مسکراہٹیں غائب ہوگئیں۔ اگر کوئی فکر باقی بچی تو بس وہ بیت المقدس، مسجد اقصیٰ کی آزادی کی فکر تھی۔''

اسمبلی ہال میں موجود سب بچے روانی سے بولتے عمر کو دَم سادھے سن رہے تھے۔ وہ جو ہمہ وقت اسپورٹس چینلز کے زیرِ سحر تھے، ایک یکسر مختلف موضوع سن رہے تھے۔

''یہی وجہ تھی کہ سلطان نور الدین زنگی اور اُن کے دست راست اور جانشین سلطان صلاح الدین ایوبی نے پختہ عزم کیا کہ وہ بیت المقدس کو کفار کے تسلط سے آزاد کروا کے ایک بار پھر وہاں اسلام کا علم بلند کریں گے۔

سلطان نور الدین زنگی جذبۂ جہاد سے سرشار یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مسجد الاقصیٰ کو آزاد کروالیں گے اور سرزمینِ اقصیٰ ایک بار پھر مومنین کے سجدوں سے منور ہوگی، اس لیے انھوں نے اس محبوب و مسجود الانبیاء مسجد کی آزادی کے لیے جہاں سرفروشوں کا لشکر تیار کیا وہیں مسجد میں نصب کرنے کے لیے ایک منبر بھی تیار کرنے کا حکم دیا۔

یہ منبر شام کے شہر حلب میں تیار ہوا تھا۔ اُس کو جوڑنے کے لیے کسی قسم کی گوند یا کیل استعمال نہیں ہوئے تھے بلکہ لکڑی ہی کو مختلف طریقوں سے خوب صورتی اور مہارت سے تراش کر بنایا اور جوڑا گیا تھا۔

''دوستو! یہ میں نے اسی منبر کا ماڈل تیار کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قوی امید تھی کہ وہ بیت المقدس آزاد کروا کے دَم لیں گے، آج میں بھی ایسے ہی عزم کرتا ہوں کہ بیت المقدس کی آزادی کے لیے اپنا تن، من، دھن وار دوں گا۔''

جوش سے عمر کی آواز بھرا گئی تھی۔

اسمبلی ہال اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔

سب کی نگاہیں عمر کے بنائے گئے منبر کے ماڈل پر مرکوز تھیں۔

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات
- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

تابعین کے واقعات
- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیتُ العِلم
کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089
لاہور فون: 042-37112356
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

''مگر دوستو! سلطان نورالدین زنگی کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ بیت المقدس کی آزادی سے پہلے ہی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُن کے بعد ان کے جانشیں اور مسلم قوم کے بہادر و غیور سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہادری اور ملی غیرت کی شاندار تاریخ رقم کرتے ہوئے ایک طویل اور اَن تھک جدوجہد کے بعد ۱۱۸۷ء میں مسجد اقصیٰ پر ۸۸ سالہ صلیبیوں کے غاصبانہ قبضے کا خاتمہ کیا اور اس عظیم الشان منبر کو محراب مسجد کے قریب نصب کر کے دنیائے عالم پر ثابت کیا کہ مسجد اقصیٰ کے حقیقی وارث امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہیں۔''

ہال ایک بار پھر نعرہ تکبیر سے گونج اٹھا۔

ایک بچے کے جذبہ ایمانی کو دیکھ کر تمام اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''لیکن دوستو! اس منبر کی کہانی ابھی باقی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ناجائز یہود ریاست اسرائیل نے فلسطین کے عوام پر ظلم وستم اور غیر انسانی سلوک کی انتہا کر رکھی ہے۔ گاہے بگاہے مسجد اقصیٰ اور اس سے منسوب ہر شے ان کے بغض وعناد کا شکار ہو رہی ہے۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو آسٹریلوی نژاد یہودی دہشت گرد ڈینس مائیکل روہن نے مسجد اقصیٰ میں آگ لگا دی جس میں دیگر نقصانات کے ساتھ ساتھ مسلم تاریخ کا یہ نایاب و شاندار منبر کہ جو سات صدیوں سے مسلم کاریگری و ہنرمندی کے ساتھ ساتھ اُن کی غیرت وحمیت اور بہادری وشجاعت کا منہ بولتا ثبوت چلا آ رہا تھا، جل گیا۔''

عمر نے لمحہ بھر کو رک کر گہری سانس لی۔

سب طلبہ کے چہروں پر دُکھ کا سایہ سا لہرا گیا تھا۔

''جی ہاں عزیز ساتھیو! وہ منبر تو جل گیا مگر اس کی راکھ ہمیں پکارتی ہے کہ اے فاتح بیت المقدس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشینو! اے سپہ سالار فتوحاتِ شام امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وارثو!

اٹھو......!''

عمر اپنے ہم عمروں اور ہم جماعتوں کو جذبے اور جوش سے پکار رہا تھا۔

''بیت المقدس کی آزادی اور تحفظ کے لیے، مظلوم فلسطینیوں کے حقوق کے لیے غفلت کی نیند سے جاگ اٹھو، کھیل تماشوں کو چھوڑ کر اپنے اسلاف کی وراثت سنبھالو۔''

عمر نائل اور اُس جیسے بے شمار فلسطینی بچوں کے دُکھ کی آواز بن کر اسکول ہال میں گونج رہا تھا۔ اس کی آواز مسجدِ اقصیٰ کے وارثوں، پاکستانی بچوں کے دلوں پر دستک دے رہی تھی:

''میرے ساتھیو! بیت المقدس کے حقیقی وارث امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا، ہمارے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ آؤ ہم بھی سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ کی مانند مسجد اقصیٰ میں نصب کرنے کے لیے کوئی منبر تیار کریں، ہم میں سے بھی کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح وہ منبر ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھیں اور مسجد اقصیٰ میں اسے نصب کر کے دم لیں، ہم میں سے بھی کوئی تو اٹھے، کوئی تو...........''

عمر کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ روہانسا ہو کر یکا یک چپ ہو گیا۔

ہال میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی، جسے ہیڈ ماسٹر صاحب کی آواز نے توڑا:

''پیارے عمر! میں تمھارے علم اور جذبے کو سلام کرتا ہوں اور تمھارے درد کی پزیرائی کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ اسکول میں اب مسجد اقصیٰ آگہی مہم شروع کی جائے گی، جس میں ہم قرآن وحدیث سے اس عظیم مسجد اور سرزمین کی اہمیت وفضیلت اور اس کی تاریخ کے بارے میں جانیں گے، اس کی موجودہ صورت حال اور اس کو لاحق خطرات کے بارے میں جانیں گے، اور یہ بھی دیکھیں گے کہ ارضِ فلسطین کی آزادی کے لیے ہم سب کیا عملی اقدامات اٹھا سکتے ہیں؟''

ہیڈ ماسٹر صاحب کے اعلان پر جہاں عمر خوشی سے سرشار ہوا تھا، وہیں ہال ایک بار پھر پورا ہال نعرہ تکبیر سے گونج اٹھا تھا۔

اس بار اساتذہ کی آواز طلبہ سے بھی زیادہ بلند تھی۔

☆☆☆

دُرود کے مسنون صیغے

(۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد السعید'' کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں: ''جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔''

انھی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود وسلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروائیے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر ازروئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا چھٹا صیغہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

سلام کا چھٹا صیغہ:

اَلتَّحِیَّاتُ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

✻ ✻ ✻

بدن سلسلہ

منہ

سروہاراامباکر

اپنے منہ کے اندر دیکھیں تو بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنھیں ہم جانتے ہیں: زَبان، دانت، مسوڑھے، عقب میں تاریک سوراخ جس کے اوپر ایک چھوٹا سا فلیپ لٹک رہا ہے (جسے انگریزی میں (uvula) اور اردو میں ''کوّا'' کہتے ہیں) لیکن پسِ پردہ اور بھی بہت کچھ، اور بہت اہم چیزیں ہے، جن کا آپ نے تذکرہ شاید نہ سنا ہو، مثلاً: geniohyoid، palatoglossus، vallecula اور levator veli palatini جیسی چیزیں۔

سر کے ہر حصے کی طرح ہی منہ بھی پیچیدگی اور اسرار کا ایک جہان ہے۔

ٹانسلز کی مثال ہی لے لیں۔ ہم اُن سے واقف ہیں لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کرتے کیا ہیں؟ درحقیقت کسی کو بھی یہ ٹھیک سے معلوم نہیں۔

یہ گلے میں پچھلی طرف گوشت کے ٹیلے ہیں۔ اسی طرح adenoid ہیں جو سانس کی نالی میں ہیں۔ یہ دونوں امیون سسٹم کا حصہ ہیں لیکن بہت زیادہ کارآمد نہیں۔ بلوغت کے بعد ایڈینوائیڈ سکڑ کر تقریباً غائب ہو جاتے ہیں۔ انھیں اور ٹانسلز کو نکالا جا سکتا ہے اور جسم پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

☆☆

نگلنا ایک ایسا کام ہے جو ہم بہت بار کرتے ہیں۔ دن میں دو ہزار مرتبہ یا اوسطاً ہر تیس سیکنڈ کے بعد۔ جب آپ نگلتے ہیں تو ایسا نہیں کہ کشش ثقل کی مدد سے خوراک معدے میں جا گرتی ہے، بلکہ مسلز اسے کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یعنی اگر آپ سر کے بل الٹے ہو کر کھانا چاہیں تب بھی کھانا آپ کے معدے ہی میں جائے گا۔ (اگرچہ اس طریقے سے کھانا بہت آرام دہ نہ ہوگا)۔

نگلنا اُس سے زیادہ ہوشیار کام ہے جتنا آپ شاید تصور کرتے ہیں۔

ہونٹ سے معدے تک پچاس مسلز حرکت میں آتے ہیں۔ اور انھیں ایک دوسرے سے تال میل میں کام کرنا ہے تاکہ خوراک ٹھیک سمت میں جائے یا پھر سانس کی نالی میں نہ پھنس جائے۔

چونکہ ہم دو پیروں پر چلنے والی مخلوق ہیں، اس لیے ہمارے لیے یہ عمل زیادہ پیچیدہ ہے۔ ہماری گردن زیادہ لمبی اور سیدھی ہے اور سر کے بالکل نیچے درمیانی پوزیشن میں ہے۔ ہمارے سر کی یہ پوزیشن ہمارے بولنے میں مددگار ہے لیکن اسی ڈیزائن کی وجہ سے ایک خطرہ سانس کی نالی میں خوراک چلے جانے کا بھی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ تمام ممالیہ جانداروں میں واحد انسان ہی ہے جس میں ہوا اور کھانا ایک ہی سرنگ میں جاتے ہے۔

گلے میں ایک چھوٹی سی چیز (epiglottis) ہے۔ یہ دراصل ایک دروازہ ہے جو ہمارے اور ایک ''سانحے'' کے بیچ میں ہے۔

جب ہم سانس لیتے ہیں تو یہ کھل جاتا ہے اور جب ہم نگلتے ہیں تو یہ بند ہو جاتا ہے۔ ہوا ایک سمت اور کھانا ایک اور سمت۔

کبھی کبھار یہ غلطی کر سکتا ہے اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ننھے معاذ کی ڈائری

آج صبح میں مسجد سے عربی کا سبق لے کر گھر پہنچا تو امی جان چولھے کے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔

میں نے پوچھا: ''امی! کیا ہوا؟''

وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں: ''بس بیٹا یہ سوچ کر رونا آ گیا کہ جب آپ کے ابو گھر پر ہوتے تھے تو صبح صبح دکان سے دودھ، دہی کے ساتھ انڈے ضرور لاتے تھے اور مجھے تاکید کرتے تھے کہ محمد معاذ کے لیے انڈا ضرور بنانا اور ناشتہ کیے بغیر اسکول نہ جانے دینا۔ اب کتنے دن گزر گئے ہیں میرا بیٹا اچار کے ساتھ روٹی کھا کر اسکول جا رہا ہے۔''

میں نے کہا: ''امی جی! آپ پریشان نہ ہوں، مجھے انڈے سے زیادہ اچار پسند ہے۔ آپ دیکھیں میں پہلے کی نسبت موٹا ہو رہا ہوں۔''

امی جان کو تسلی دینے کے بعد میں نے اچار سے روٹی کھائی اور بستہ اٹھا اسکول کی طرف دوڑ لگا دی۔

آج میرے والد صاحب کو بے گناہ گرفتار ہوئے دس دن گزر گئے ہیں۔ آپ سب چچاؤں اور پھوپیوں سے دعا کی درخواست ہے کہ ان کے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جلد رہائی نصیب فرمائے، تاکہ میں انڈے پراٹھے کھا سکوں۔

(محمد معاذ۔ کلاس 3، گورنمنٹ ہائی اسکول، چک نمبر 7 ج ب نلکہ کوہالہ)

کچھوا اور خرگوش کی ہوئی ملاقات

اس دن موسم بہت خوشگوار تھا۔ ایک کچھوا چہل قدمی کے لیے نکلا۔ وہ مزے سے پگڈنڈی پر چلا جا رہا تھا کہ اس کی ملاقات خرگوش سے ہوگئی۔

وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رک گئے۔ اتفاق سے دونوں نے ایک دوسرے کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن دونوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

’’تم کون ہو؟‘‘ خرگوش نے پوچھا۔

’’میں کچھوا ہوں اور تم کون ہو؟‘‘ کچھوے نے جواب کے ساتھ سوال بھی کر دیا۔

’’میں خرگوش ہوں۔‘‘ خرگوش بولا۔

’’اچھا تم خرگوش ہو، میں نے گھر میں اکثر تمھارا ذکر سنا ہے۔‘‘ کچھوے نے کہا۔

’’میں بھی تمھارے بارے میں بہت کچھ سنتا رہا ہوں۔ اچھا ہوا آج ملاقات ہوگئی، ہمارے آباء و اجداد میں اچھے تعلقات تھے۔‘‘ خرگوش نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

’’ہاں...... ہاں میں جانتا ہوں ان کے کارنامے آج بھی انسان اپنے بچوں کو بطور سبق پڑھاتا ہے۔‘‘ کچھوے نے کہا۔

’’کہاں کا ارادہ ہے؟‘‘ خرگوش نے پوچھا۔

’’میں ذرا شمالی نہر تک جا رہا ہوں۔‘‘

’’میں بھی ساتھ چلوں؟‘‘

’’ضرور۔‘‘ دونوں موسم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چل دیے۔

’’اب زمانہ بہت بدل گیا ہے، ہمارے آباء و اجداد کچھ بے وقوف سے لوگ تھے۔‘‘

خرگوش کچھ دیر بعد گویا ہوا۔ کچھوا خاموش رہا۔

’’پچھلے دنوں میں ایک بڑی ریس میں اوّل آیا۔‘‘ خرگوش بولا۔

’’یقیناً آئے ہوگے۔‘‘

’’اکثر میں ریسیں جیتتا رہتا ہوں۔‘‘ خرگوش اس کے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

’’ہاں سب جانتے ہیں کہ خرگوش ایک تیز رفتار جانور ہے۔‘‘ کچھوے نے کہا۔

خرگوش خوب ترنگ میں تھا، وہ مسلسل بول رہا تھا، کبھی چلتے چلتے اچھل پڑتا، کبھی گھاس میں لوٹ لگاتا تو کبھی بلا وجہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑتا۔

’’میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے چلیں تو بہتر ہے۔‘‘ کچھوے نے کہا۔

’’میں زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا۔‘‘ خرگوش بولا۔

وہ دونوں جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

اسی وقت خرگوش ایک گھسا پٹا لطیفہ سنا کر زور سے ہنسا۔

’’خاموش رہو۔‘‘ کچھوے نے ڈانٹا۔

’’مجھے مت روکو، موسم بہت اچھا ہے، میں بہت خوش ہوں اور آج میرا ’جنم دن‘ بھی ہے۔‘‘ خرگوش چہکا۔

’’یہ تمہارا مرن دن بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ہم بھیڑیوں کے علاقے سے گزر رہے ہیں اور وہ سخت بھوک کی حالت میں شکار کی تلاش میں گھوم رہے ہیں۔‘‘ کچھوے نے کہا۔

خرگوش نے قہقہہ لگایا۔ ’’بھیڑیئے...... بھیڑیئے تو میری گرد کو بھی نہیں چھو سکتے۔‘‘ اس نے شیخی بگھاری۔

کچھوے کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تھا۔

آخر بھیڑیے ان کے وجود سے آگاہ ہوگئے۔

کچھوے نے ان کے دوڑنے کی آوازیں جلد ہی سن لیں اور فوراً پتھروں کے درمیان ہو کر اپنے خول میں محفوظ ہوگیا۔

دور سے دیکھنے پر وہ اب ایک پتھر کی طرح ہی لگ رہا تھا۔

خرگوش پہلے تو دَم بخود رہ گیا، پھر تیزی سے بھاگا۔ بھیڑیے تعداد میں زیادہ تھے، وہ اسے مختلف سمتوں سے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وسیع میدان میں ان کی دوڑ جاری تھی۔ خرگوش کی جان پر بنی تھی وہ کسی بھٹ یا درخت کی کھوہ کی تلاش میں تھا جہاں چھپ کر جان بچا سکے لیکن میدان میں جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی اثنا میں دوڑتے ہوئے

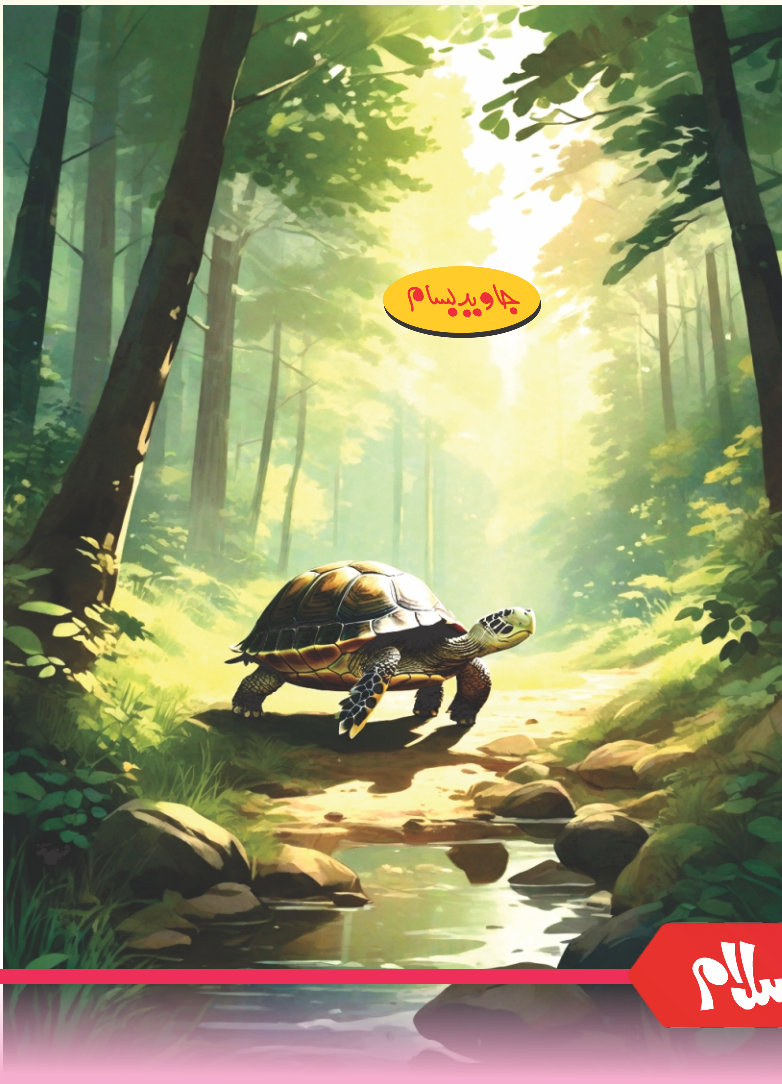

بھیڑیے اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

وہ تیزی سے اس پر جھپٹے اور ایسا لگا جیسے خرگوش پکڑا گیا۔ خوب مٹی اڑی۔ کچھوے نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں لیکن خرگوش کی قسمت اچھی تھی وہ بچ نکلا تھا۔

آخر اسے کانٹے دار جھاڑیاں مل گئیں اور وہ ان میں گھس گیا۔ وہ گھنی سخت نوکدار کانٹے والی جھاڑیاں تھیں۔ بھیڑیے باہر رک کر اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

کچھوے نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنی راہ پر ہولیا۔

شام کو واپس آتے ہوئے وہ ان جھاڑیوں کی طرف جا نکلا۔

اس نے دیکھا کہ بھیڑیے جا چکے ہیں لیکن خرگوش اسی طرح جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہے۔

”باہر آجاؤ خطرہ ٹل چکا ہے۔“ اس نے کہا۔

خرگوش ڈرتے ڈرتے باہر آگیا۔ اس کی بھوک و پیاس سے بری حالت تھی۔ کانٹے لگنے سے زخم بھی آگئے تھے، وہ لنگڑا کر بھی چل رہا تھا اور سخت خوفزدہ تھا۔

”ڈرو نہیں، بھیڑیوں کو شکار مل گیا ہے، اب وہ ادھر نہیں آئیں گے۔“ کچھوا بولا۔

خرگوش خاموشی سے آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چل پڑا، اب اُس کی ساری تیزی و طراری ہوا ہوگئی تھی۔

”تم نے اپنی بے وقوفی سے تکلیف اٹھائی، اگر تم خاموش رہتے تو یہ نہ ہوتا۔“

خرگوش اب بھی خاموش رہا۔

”سیانوں کا قول ہے: ایک چپ......سو سکھ، شاید تم نے کبھی سنا ہو۔“

خرگوش نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”آج تم نے اس کا عملی سبق بھی لے لیا۔ ایسا ہی ایک سبق میرے پڑ دادا نے تمھارے پڑ دادا کو بھی دیا تھا، لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم لوگ تجربوں سے کچھ نہیں سیکھتے۔ خیر اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو آج کے واقعہ کو کبھی نہیں بھولو گے۔“ کچھوے نے کہا۔

خرگوش نے شرمندگی سے گردن ہلائی۔ اُس کا علاقہ آ گیا تھا وہ کچھوے سے ہاتھ ملا کر اپنے بھٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

81

میرِ حجاز

اختر حسین عزمی

تبلیغی سرگرمیوں کے لئے نئے میدان تلاش کرنے کی امید پر پیغمبرِ اسلام نے طائف جانے کا عزم کیا۔

خاندان بنو ہاشم سے طرد ہونے کے بعد محمدؐ بن عبداللہ کے دشمنوں کو انہیں قتل کرنے کا ایسا اختیار مل چکا تھا کہ اس کے بعد قصاص کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔ اب پیغمبرِ اسلام کے لئے مکہ میں تبلیغ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

مکے کی سنگلاخ و بنجر وادی سے ساٹھ میل دور طائف کی وادیٔ گلپوش تھی۔ سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کے باعث یہاں بارشیں بھی کثرت سے ہوتیں اور ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشموں کی وجہ سے سارا سال ندیاں رواں رہتیں۔ قبیلہ بنو ثقیف کی زرعی مہارت نے اس وادی کو گرد و نواح کے لوگوں کے لئے قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ اس وادی کی قدیم بستی کا نام ''واج'' تھا۔ شہنشاہ ایران نے یہاں کے ایک شخص کی خدمات سے خوش ہو کر اس سے پوچھا:

''میں تیری خدمات کے عوض تمھیں کیا انعام دوں؟''

''بادشاہ سلامت! آپ مجھے ایسے ماہر کاریگر دے دیں جو میرے شہر کے اردگرد ایک فصیل تعمیر کر دیں تا کہ کوئی دشمن ہم پر اچانک حملہ نہ کر سکے''۔ یہاں کے مکین نے کہا۔

کسریٰ ایران کے بھیجے ہوئے کاری گروں کی تعمیر کردہ دیواروں کے باعث اب لوگ اس بستی کو طائف کہنے لگے۔

شہر کی ایک پہاڑی پر لات دیوی کا مجسمہ نصب تھا جو عرب کے تین بڑے بتوں میں سے ایک تھا۔ اہل طائف لات کے آستانے کو بیت اللہ کا ہم رتبہ خیال کرتے تھے۔ اگر کوئی دشمن یا قاتل اس کے آستانے میں داخل ہو جاتا تو اس کا تعاقب نہ کرتے تھے۔ یہاں بنو ثقیف کا قبیلہ آباد تھا جن سے قریش مکہ کی رشتے داریاں بھی تھیں۔ وادیٔ طائف میں سردارانِ مکہ کے باغات اور مکانات بھی تھے جہاں وہ موسم گرما کی شدت میں قیام کرتے۔ یہ اہل مکہ کے لئے ایک پُر فضا تفریحی مقام تھا۔

طائف کے باشندے چونکہ مالی لحاظ سے خوش حال تھے اس لئے وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ دیتے تھے۔ اس زمانہ میں جب کہ سارا جزیرہ عرب جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، طائف میں بہترین طبیب اور مایہ ناز منجم موجود تھے۔ اپنے زمانے کا بہترین طبیب حارث بن کلدہ تھا جس نے ایران کے ماہر طبیبوں اور حکیموں سے علم طب حاصل کیا تھا۔ ان دنوں علم طب میں ایرانی مہارت معروف تھی۔ اسی طرح علم نجوم کا ماہر عمرو بن امیہ بھی طائف کا رہنے والا تھا جو ستاروں کی رفتار، اوقات طلوع و غروب اور ان کے اثرات سے آگاہ تھا۔ ستاروں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے کے لئے اس نے رصد گاہ بنا رکھی تھی۔ (ابن خلقان)

بعثت نبوی کے دسویں سال کا شوال تھا اور ۶۱۹ء کے جون کی گرمیوں کا آغاز جب پیغمبرِ اسلام نے اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف کے لیے رخت سفر باندھا۔ اس سفر پر وہ پیدل ہی نکل کھڑے ہوئے کہ شعب ابی طالب کی محصوری میں سارا ہی مال خرچ ہو گیا تھا۔ اب آپ کے پاس سواری نہ رہی تھی۔ راستے میں مزدلفہ، عرفات، شداد، کرا اور ہدہ کے مقامات سے گزرے اور جس قبیلے سے گزر ہوتا، اسے اسلام کی دعوت دیتے اور اپنی حمایت کرنے کی بات کرتے لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی۔ اس دعوتی سفر کے چند دن بعد آپ وادیٔ طائف میں داخل ہوئے۔

میلوں پر پھیلے سیب کے باغات اور ہری بھری فصلوں کے ساتھ انگور کی فصلوں سے ڈھکی گلپوش وادی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی ندیوں اور جھرنوں کا دلکش منظر۔ اہل طائف کی آسودگی و خوشحالی کی تصویر قدم قدم پر دامن دل کو کھینچتی تھی، لیکن ان خوشحالیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غفلت اور خدا فراموشی کے انجام کو ایک نبی سے بہتر کون جانتا ہے۔ ناپ تول میں کمی کرنے والی مدین کی خوشحال مشرک قوم کے بارے میں حضرت شعیب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی فکر لاحق تھی:

اِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ﴿۸۴﴾

''آج میں تمھیں خوش حال دیکھ رہا ہوں، مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اردگرد پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے شہر طائف کی طرف بڑھتے گئے۔

اس شہر پر عمرو بن عمیر ثقفی کے تین بیٹوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کی سرداری تھی۔ اللہ کے ہر نبی کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ جس قوم کی طرف جاتے ہیں پہلے ان کے سرداروں کو مخاطب کرتے ہیں اور انھیں ایک رب کی بندگی اور اپنی رسالت کو تسلیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے زیر اثر افراد کی تعلیم و تربیت کے ذمے دار بھی ہوتے ہیں اور قوم بھی رہنمائی کے لیے انہی کی طرف دیکھتی ہے۔ ان ثقفی بھائیوں میں سے ایک کی شادی قریش کے خاندان بنو جمح میں ہوئی تھی۔ اس تعلق کی بنا پر آپ سب سے پہلے اس کے ہاں پہنچے اور اسے بڑی دل سوزی کے ساتھ اللہ کی واحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس دین کے کام میں میری حمایت کرو۔ اس نے پیغمبرِ اسلام کی بات سن کر کہا:

''غلاف کعبہ تار تار ہو جائے اگر اللہ نے آپ جیسے شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

اس کے نزدیک مالی حیثیت سے حقیر، سواری تک سے محروم آدمی اللہ کا رسول نہیں بن سکتا تھا۔

ٹوٹے ہوئے دل کے لیے یہ پہلا تیر تھا جو دولت کے نشے میں چُور ایک امیر کی زبان سے نکلا۔

اس کی بدخلقی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدمہ پہنچا لیکن ابھی دامن امید خالی نہ تھا، ممکن ہے دوسرا بھائی اس دعوت کو قبول کر لے۔ اس خیال کے ساتھ آپ دوسرے کے پاس گئے۔ اسے بھی دعوت توحید و رسالت پیش کی اور اپنی حمایت کا مطالبہ کیا۔ اس نے تحقیر آمیز انداز میں کہا:

''کیا تمھارے علاوہ اللہ کو اور کوئی نہیں ملا جسے وہ اپنا رسول بنا کر بھیجتا۔''

دوسرے بھائی کے جملے سے بھی کبر کا اظہار ہو رہا تھا۔

اب آپ نے اتمام حجت کرنے کے لیے تیسرے بھائی کی طرف رخ کیا۔ اس نے آپؐ کی بات سننے کے بعد عجیب منطق بگھاری:

”واللہ میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے، تو میرا آپؐ کی بات کو رد کرنا کسی بڑے خطرے سے خالی نہیں اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو مجھے آپ سے بات کرنا زیب ہی نہیں دیتا۔“

”تم نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا سو کیا، پھر بھی اس معاملے کو اپنے تک ہی رکھنا۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

آپؐ چاہتے تھے کہ ان کا یہ جواب عوام الناس تک نہ پہنچے تاکہ وہ آپ کی بات توجہ سے سن سکیں۔

تینوں سرداروں کا جواب ملنے کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے عوام کا رخ کیا کہ اس متمدن اور پڑھے لکھے شہر میں شاید کوئی اور ہی اس دعوت کو قبول کرلے۔

ایک ایک فرد تک رب کا پیغام پہنچانے کی کوشش کی۔ سردارانِ طائف کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اپنی دعوت سے ان کے نوجوانوں کے ذہن خراب نہ کردے۔ چنانچہ انھوں نے پیغمبرؐ اسلام کو شہر سے نکلنے کا حکم نامہ جاری کردیا کہ کہیں لوگ سنجیدہ دعوت کے بارے میں سنجیدگی سے نہ سوچنا شروع کردیں۔

اس مقصد کے لیے انھوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔

دیکھا دیکھی پیغمبرؐ اسلام کے گرد تماشائیوں کی ایک بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ جو آپ پر آوازے کستے، پھبتیاں اڑاتے۔ ان سے بچنے کے لیے آپ جدھر کا رُخ کرتے، وہ پیچھا کرتے۔ اب کوئی دھکا دے رہا تھا تو کوئی آپ کا ہاتھ کھینچ رہا تھا۔ انھیں تو بتایا گیا تھا کہ یہ اجنبی شخص تمھاری لات دیوی کا گستاخ ہے۔ وہ لات کی جے کے نعرے لگاتے تھے اور ایک گروہ آپ کے پاؤں پر تاک تاک کر سنگ زنی کررہا تھا۔

کوئی نہ تھا جو ہجوم کو روکتا اور نہ کوئی ڈھال بننے والا تھا، سوائے زید بن حارثہ کے۔

وہ اکیلے کتنا دیر آپ کا بچاؤ کرتے، ان کا سر بھی زخمی ہوگیا اور وہ جو جہنم سے انسانوں کو بچانے اور قتل وخونریزی روکنے آئے تھے، ان کا سارا جسم لہولہان تھا۔ درد کی شدت سے اللہ کے رسول بیٹھ جاتے تو وہ بازوؤں سے پکڑ کر پھر کھڑا ہونے اور چلنے پر مجبور کرتے اور ساتھ ہی قہقہے بلند کرتے۔

(جاری ہے)

ان کے کوچے میں!

ماریہ ارشاد احمد۔ لاہور

اپنے احساسات وجذبات اور کیفیات کو الفاظ کی صورت قرطاس پر اس انداز میں بہت کم لوگ منتقل کرپاتے ہیں کہ پڑھتے ہوئے قاری کے جذبات کا آتش فشاں بھی دہکنے لگے۔ وہ الفاظ کی روانی میں بہتا چلا جائے۔ حالیہ شائع ہونے والے سفرنامہ حجاز ”ان کے کوچے میں!“ بھی ایک ایسا ہی سفرنامہ ہے جسے پڑھتے ہوئے قاری جذبات اور احساسات کے سمندر میں بہتا چلا جاتا ہے۔ عشق ومحبت میں ڈوبے الفاظ آتش شوق بھڑکا دیتے ہیں۔ ایک ایسا سفرنامہ جو قاری کو کچھ دیر دنیا کے ہنگاموں سے لاتعلق کردے۔ تصورات کو پکڑ ایسی شاہراہ پر چلانے لگے جو شہرِ نبی اور پھر دھیرے دھیرے افضل القرن قرن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرنور فضا میں پہنچادے۔ اصحابِ نبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محفل میں لابٹھائے، درِ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لاکھڑا کرے، صفہ کے چبوترے پر اصحاب صفہ کو آقا کی محبت سے سرشار احادیث حفظ کرتے دکھائے، ہجرت کی تکلیفیں دکھلائے۔ کیا کچھ نہیں تھا اس میں؟ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکرانا بھی تھا اور آنسو بہانا بھی، صحابہ کے ساتھ محبت کی محفلیں بھی تھیں، غزوات واسفار بھی، تکالیف اور ان پر صبر بھی اور پھر دل چھلنی کردینے والا آخری خطبہ وملاقات اور جاں گسل سفرِ آخرت بھی۔

یہ سفرنامہ ایک لازوال محبت کی داستان تھا، جس کا حرف حرف ادب کے موتیوں میں پرو کر لکھا گیا۔ اندازِ بیاں ایسا کہ قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لے۔ اختصار کے ساتھ ساتھ تاثیر ایسی کہ روح سیر ہوجائے۔ برق رفتاری سے بدلتے مناظر کیفیات کو بھی اسی رفتار سے لیے چلتے ہیں۔ بدلتے مناظر میں تقریباً ہر منظر سیرت کے مشک بار تذکروں سے معطر ہوتا جسے پڑھتے ہوئے کبھی رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہوجاتی تو کبھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ کبھی حلق نمکین ہوتا تو کہیں محبت کے آنسو آنکھوں میں اتر کر الفاظ کو دھندلا کردیتے۔ کبھی عجب کیفیت ہوتی کہ لب مسکراتے اور آنکھیں روتی تھیں۔ اس سفرنامے کی خاص بات یہ ہے کہ روایتی سفرناموں سے ہٹ کر لکھا گیا۔ دورانِ مطالعہ جہاں دل عقیدت واحترام کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے، عشق ومحبت کی شمعوں سے روشن ومنور ہوتا اور شوق دیدار سے تڑپ اٹھتا ہے، وہیں شہرِ نبی میں آثارِ نبی کھوجنے کا متمنی بھی ہوتا ہے۔ قسط وار ہونے کے باوجود اس کی سلاست وروانی متاثر کن رہی۔ بہت سی نئی باتیں جاننے کو ملیں۔ نئی اور بے حد مفید معلومات ملیں۔ قابلِ رشک واقعات پڑھنے کو ملے۔ غرضیکہ سفر اور روداد سفر دونوں کا حق ادا کردیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

درخواست ہے کہ یہ سفرنامہ کتابی شکل میں ضرور شائع ہونا چاہیے۔

☆☆☆

سلام ہے!

نادر صدیقی

صدق و صفا سے نکھرے بیاں کو سلام ہے
قرآں سنانے والی زَباں کو سلام ہے
پتھر بھی نغمہ کہنے لگے لا الہ کا
وحدت کی پہلی پہلی اذاں کو سلام ہے
جس پر سلام کے لیے اتریں فرشتگاں
ایسے مکیں کو، ایسے مکاں کو سلام ہے
روحِ رواں ہیں کون و مکاں کے لیے حضورﷺ
کون و مکاں کے روحِ رواں کو سلام ہے
حد ہی نہیں زمان و مکانِ رسولﷺ کی
آقا کے ہر زمان و مکاں کو سلام ہے
ہر عمر کے غلام ہیں سرکار کے غلام
ہر پیر کو سلام، جواں کو سلام ہے
مکے کو فتح کر کے کہا: ”جاؤ سب معاف!“
اِس امن پر درود، اماں کو سلام ہے

بگلا بھگت

بگلا خوب صورت پروں اور لمبی چونچ والا ایک آبی پرندہ ہے۔ یہ قطب شمالی اور جنوبی کے علاوہ دنیا میں ہر جگہ دریاؤں، نالوں اور تالابوں کے نزدیک پایا جاتا ہے۔ کونج، سارس اور لم ڈھینگ اس کے قریبی رشتے دار ہیں۔

بگلے کی اوسط اُونچائی ۴۰ انچ تک ہوتی ہے۔ بگلا ۱۵ سے ۲۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ وزن ۵ کلوگرام اور کم از کم وزن ۲۱۰ گرام ہوتا ہے۔

بگلے کی آواز بہت تیز اور بھدی ہوتی ہے، تاہم یہ زیادہ تر خاموش رہنے والا پرندہ ہے۔ بگلا آبی گزرگاہ کے نزدیک اُونچے درختوں پر گھونسلے بنا کر رہتا ہے۔ وہ اپنا گھونسلا کم از کم ۲۵ میٹر کی بلندی پر بناتا ہے۔ اس کا گھونسلا بہت مضبوط ہوتا ہے اور ہوا کے تیز جھونکے بھی برداشت کر سکتا ہے۔ بگلے کے اڑنے کا انداز دوسرے پرندوں سے کافی منفرد ہے۔ وہ اُڑتے ہوئے اپنے پروں کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے حرکت دیتا ہے اور یکساں رفتار سے بہت دور تک جا سکتا ہے۔ تاہم یہ خطرے کی حالت میں وہ ۶۵ کلومیٹر فی گھنٹے کی پرواز بھی کر سکتا ہے۔

بگلا پانی کے کنارے یا کم گہرے پانی میں بے حس وحرکت گھنٹوں کھڑا رہتا ہے اور اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا بھلا مانس شخص خاموش رہ کر خدا کی یاد میں مستغرق ہے، لیکن جونہی کوئی مچھلی اسے ساکن شے سمجھ کر اطمینان سے اس کے نزدیک آتی ہے، وہ نہایت پھرتی سے اسے چونچ میں پکڑ کر سالم نگل جاتا ہے اور پھر اگلے ہی لمحے ویسے ہی ساکن کھڑا ہو جاتا ہے۔

بگلے کی اسی حرکت کی وجہ سے اسے طنزیہ طور پر بگلا بھگت (عبادت گزار) بھی کہتے ہیں۔ مجازاً اس کے معنی ایسے شخص کے ہوئے جس کا ظاہر اچھا اور باطن برا ہو۔ یعنی وہ شخص جو ظاہر میں بہت نیک اور شریف دِکھتا ہو مگر باطن میں شریر ہو۔

بگلے کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پانی میں میرا عکس پڑ رہا ہے، اس لیے وہ اپنے عکس سے دوسری طرف نظر رکھتا ہے تاکہ اسے پانی کے نیچے حرکت کرتے ہوئے کیڑے اور مچھلیاں نظر آ سکیں۔

بگلے کی کل ۶۴ اقسام ہیں جن میں درج ذیل چھے اقسام بہت مشہور ہیں:

۱۔ گولائتھ بگلا۔ ۲۔ سفید بگلا۔ ۳۔ سبز بگلا۔ ۴۔ عظیم نیلا بگلا۔ ۵۔ ٹوپی والا بگلا۔ ۶۔ خم دار بگلا۔ ان اقسام میں سے گولائتھ بگلا کی قسم سب سے بڑی اور سبز بگلے کی قسم سب سے چھوٹی ہے۔

بگلا پانی کے کنارے یا کم گہرے پانی میں بے حس وحرکت گھنٹوں کھڑا رہتا ہے اور اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا بھلا مانس شخص خاموش رہ کر خدا کی یاد میں مستغرق ہے۔

گولائتھ بگلا:

یہ خاصا سست قسم کا بگلا ہے۔ یہ مچھلی کو پکڑ کر اسے کنارے پر رکھ دیتا ہے اور اگلے شکار کی تیاری کرتا ہے۔ اس دوران میں اکثر اس کا شکار عقاب لے اُڑتا ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے صحرائی ممالک میں پایا جاتا ہے۔ تاہم اس کی کچھ ذیلی اقسام ایشیا میں بھی ملتی ہیں۔ اس کی گردن ہلکی سرخ جبکہ جسم کا رنگ گہرا سرمئی ہوتا ہے۔

سفید بگلا:

یہ قسم بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور بھوٹان میں پائی جاتی ہے۔ سفید گردن اس کی خاص پہچان ہے۔

سبز بگلا:

یہ قسم صرف براعظم شمالی اور وسطی امریکا میں پائی جاتی ہے۔ اس کی خاص پہچان اس کی گہری نیلی لمبی چونچ اور سبز پر ہیں۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی اور پیلی ہوتی ہیں۔

عظیم بگلا:

یہ قسم براعظم شمالی امریکا، وسطی امریکا، بحیرۂ کریبین کے جزیروں میں موجود دریاؤں اور گالاگوس جزائر میں پائی جاتی ہے۔ اس کی چونچ پیلی جبکہ سر گہرے سرمئی رنگ کا ہوتا ہے۔

ٹوپی والا بگلا:

بگلے کی یہ قسم براعظم جنوبی امریکا میں ملتی ہے۔ یہ زیادہ تر دلدلوں کے کنارے رہتا ہے۔ اس کا جسم سرخی مائل سیاہ اور چونچ نیلے رنگ کی ہوتی ہے۔

☆☆☆

ابو خنساء

اس دن کیا ہوا تھا؟

اسماء اشرف منہاس

بڑے ابا بڑی عجلت میں گھر سے باہر نکلے تھے۔ انھوں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ احمد کے اسکول سے فون آیا ہے، اس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔

جبکہ انھیں علم ہوا تھا کہ احمد کو اسکول والے اسپتال لے گئے ہیں اور اب وہ اسپتال میں داخل کرلیا گیا ہے مگر وہ جب تک اصل صورت حال کا درست علم نہ ہوتا گھر والوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے۔ احمد کے ابو بھی ملک سے باہر تھے تو گھر میں بڑے اب وہی تھے۔

وہ جب اسپتال پہنچے تو احمد کے پرنسپل صاحب بھی وہیں موجود تھے۔

ان سے پتا چلا کہ اس کی کلاس کے کسی بچے نے اس کی آنکھ کے نیچے پین کی نب اِس بری طرح سے ماری تھی کہ احمد کی آنکھ ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔

احمد ابھی بے ہوش تھا۔ اس لیے ابھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ نقصان کس حد تک ہوا ہے۔ بڑے ابا اس کی حالت دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے تھے۔ اگر واقعی اس کی آنکھ ضائع ہوگئی تو......!؟ یہ اندیشہ ان کا دل ہولائے دے رہا تھا۔

وہ مسلسل دل ہی دل میں رب تعالیٰ سے التجا کر رہے تھے کہ احمد کی آنکھ بچ جائے، اسے کچھ نہیں ہو۔

’’ہمارے اسکول میں تین مہینے پہلے ایک نیا بچہ داخل ہوا ہے۔‘‘

پرنسپل صاحب بڑے ابا کے پاس بیٹھے بتا رہے تھے۔

پڑھائی میں بھی کمزور ہے اور کلاس میں کسی کے ساتھ بھی اس کی دوستی نہیں، بس الگ تھلگ بیٹھا رہتا ہے۔ احمد بہت اچھا بچہ ہے مگر نجانے کیا ہوا کہ اس نے اچانک پین کی نب احمد کی آنکھ میں ماردی۔ آپ فکر نہ کریں، اسے اب ہم اسکول سے نکال دیں گے۔‘‘

’’نہیں آپ ایسا نہ کریں۔‘‘ بڑے ابا جلدی سے بولے۔

’’مگر کیوں؟‘‘ پرنسپل صاحب حیران ہوئے۔ ’’اس بچے نے بہت زیادتی کی ہے، اسے نکال دینا ہی بہتر رہے گا۔‘‘

’’وہ بات تو ٹھیک ہے مگر ابھی ہمیں اصل بات کا تو علم ہی نہیں، میرا پوتا بے ہوش ہے۔ جب تک وہ ہوش میں نہیں آتا، بیان نہیں دیتا، یہ یک طرفہ کارروائی ہوگی۔‘‘

’’ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔‘‘

احمد ہنوز بے ہوش تھا۔

اگلی صبح بڑے ابا اس بچے کے گھر جا پہنچے تھے، جس نے احمد کو مارا تھا۔

اس کا نام سلیمان تھا۔ اس کے ماں باپ بے حد شرمندہ تھے اور بار بار معافی مانگتے ہوئے بتا رہے تھے کہ ان کا بیٹا بالکل بے ضرر بچہ ہے۔ خاموش طبع اور سنجیدہ، مگر نجانے اس سے یہ غلطی کیسے ہوگئی!

بڑے ابا نے سلیمان سے بہت پوچھا کہ اسے احمد سے کیا شکایت تھی، مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا، بس وہ بے حد سہما ہوا تھا۔

اللہ اللہ کر کے دوسرے دن احمد کو ہوش آ گیا اور صد شکر کہ اس کی آنکھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

دو تین دن بعد وہ گھر آ گیا تھا۔

اور پھر اُس دن اس کی طبیعت بہتر دیکھ کر بڑے ابا نے اس سے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا جس کے جواب کا وہ بہت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

’’بیٹا! اس بچے سے آپ کی کوئی لڑائی ہوئی تھی کیا؟ آخر اس نے آپ کو کیوں مارا؟ جب کہ میں جانتا ہوں کہ آپ لڑنے والے برے بچے نہیں ہیں اور وہ بچہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا۔‘‘

’’آپ اُس بچے سے ملے تھے؟‘‘

احمد نے اُن کے خاموش ہونے پر سوال کیا تھا۔

بڑے ابا کو صاف لگا کہ وہ اِس بات پر کافی پریشان ہوگیا تھا۔

’’ہاں میں اُس کے گھر گیا تھا۔‘‘

’’اس نے کچھ کہا تو نہیں؟‘‘ احمد نے اگلا سوال فوراً ہی کیا تھا۔

’’اسے کیا کہنا چاہیے تھا؟‘‘ بڑے ابا بہت نرمی سے پوچھ رہے تھے۔ ’’کیا کوئی خاص بات ہے جو وہ کہنے والا تھا اور میرے سامنے کسی وجہ سے نہیں کہہ پایا؟‘‘

اب کے احمد بالکل خاموش تھا۔

اُس نے بڑے ابا کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''بولو بیٹا! بتاؤ، اگر وہ لڑکا قصوروار نہیں تو یہ بات ہمیں پرنسپل صاحب کو بتانا ہوگی ورنہ وہ اسے اسکول سے نکال دیں گے اور اگر اس نے جان بوجھ کر غلطی کی ہے تو پھر اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا۔

''غلطی دراصل میری ہے بڑے ابا!'' احمد بہت شرمندگی سے بولا تھا۔

''وہ جب سے آیا ہے، کسی نے اُس سے دوستی نہیں کی، سب اس کا مذاق اڑاتے تھے، کبھی اس کی رنگت کا، کبھی معمولی لباس کا، کبھی اس کے کمزور جسم کا، اسے سوکھی لکڑی کہتے، طرح طرح کے نام رکھتے، اگرچہ میں اِن ساری باتوں میں شامل تو نہیں تھا مگر میں نے کسی لڑکے کو کبھی روکا بھی نہیں، حالانکہ میں نے خود کئی دفعہ سلیمان کو سرخ آنکھوں کے ساتھ دیکھا، وہ یقیناً اِن تکلیف دہ باتوں پر روتا تھا مگر سب کے مقابلے میں وہ کمزور تھا، اکیلا تھا، اس لیے کرکچھ نہیں سکتا تھا۔ یہ سلسلہ کئی مہینوں سے چل رہا تھا کہ اُس دن......''

اتنا کہہ کر احمد رک گیا تھا۔

''کیا ہوا تھا اس دن؟''

بڑے ابا نے اسے بولنے کا حوصلہ دیا۔

''اس دن میں نے بھی اسے ایک غلط نام سے پکارا، اور نجانے اسے کیا ہوا؟ شاید وہ مجھ سے یہ توقع نہیں کر رہا تھا، اس لیے اچانک اس نے نب میرے منہ پر دے ماری۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں!''

احمد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔

وہ بڑے ابا کے چہرے کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اسے سخت شرمندگی تھی کیونکہ اصل قصوروار تو وہی نکلا تھا۔ بڑے ابا کتنے دکھی ہوں گے کہ ان کا پوتا اتنا برا تھا۔

''یہاں آؤ میرے پاس۔'' بڑے ابا نے اسے پکڑ کر پاس بٹھالیا تھا۔ ''کوئی بات نہیں، انسانوں سے غلطیاں ہوجاتی ہیں، تم سے بھی غلطی ہوگئی، دوسروں کی دیکھا دیکھی تم نے اس بچے کے ساتھ زیادتی کردی، جبکہ تمھیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ کسی کا مذاق اڑایا جائے، کسی کو برے نام سے پکارا جائے، اسی لیے اللہ نے خاص طور پر یہ فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.

مفہوم: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں کے ساتھ پکارو، ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں۔

تو بیٹا! اگر تم آئندہ اس بات کو پکا یاد رکھو اور اس بچے سے معافی مانگ لو تو تمھاری اس غلطی کی تلافی ہوسکتی ہے۔''

''سچ بڑے ابا!'' احمد کا اس خوش خبری پر چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''بالکل سچ۔'' بڑے ابا بولے تھے۔

''اور ہاں، ہم سلیمان کو گھر بھی بلائیں گے تاکہ اس کی ہم سب سے دوستی ہوجائے اور وہ خود کو کبھی اکیلا نہ سمجھے۔''

یہ سن کر احمد کے دل سے جیسے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

☆☆☆

مجھے خطرہ تھا!

اقبال سالار

فضل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری دنیا اپنی جگمگاہٹ سمیت میرے لیے حلال ہوجائے تب بھی میں اس سے بچتا رہوں گا۔ منصور بن عمار کا کہنا ہے کہ ایک روز میں نے مسجد حرام میں قیامت سے متعلق کوئی بات کی فضل بن عیاض بھی اس گفتگو کو سن رہے تھے۔ عذاب آخرت کا ذکر سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی گھنٹوں تک اُن کو ہوش نہ آسکا۔

ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ فضل بن عیاض فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو اختیار دیا جائے کہ اگر تم چاہو تو ایک ذلیل جانور کی زندگی بسر کرسکتے ہو تو اس صورت میں قیامت کے دن کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ تو میں ایک ذلیل جانور بن کر رہنا پسند کروں گا کیونکہ قیامت کے دن کے تصور سے ہی میری حالت غیر ہوجاتی ہے۔ ابراہیم بن اشعث فرماتے ہیں کہ فضل بن عیاض فرماتے تھے کہ کیا لوگوں کو یقین ہے کہ ان کے اعمال خدا کے یہاں مقبول ہوگئے ہیں اگر یقین نہیں ہے تو پھر ان کے چہروں پر ہنسی کیسے آتی ہے؟

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی)

ہنسی کیسے آتی ہے؟

مسلم بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ''میں ایک مرتبہ بحرین گیا۔ وہاں ایک عورت نے میری دعوت کی۔ وہ عورت بظاہر مال دار تھی، اس کے چند لڑکے تھے اور غلام بھی۔ وہ مجھے غمگین نظر آرہی تھی۔ میں نے رخصت ہوتے وقت کہا: ''اگر کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔''

وہ کہنے لگی: ''میری خواہش ہے کہ آپ جب بھی یہاں تشریف لائیں تو میرے یہاں قیام فرمائیں۔''

'ٹھیک ہے۔' میں نے کہا اور اس سے رخصت ہوگیا۔

چند سال بعد میں پھر بحرین گیا۔ اس کے ہاں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ وہاں کا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ لڑکے نظر آئے نہ ہی غلام۔ امارت کے آثار بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے، البتہ وہ عورت اس بار بے حد خوش و خرم دکھائی دی۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگی: ''آپ کے جانے کے بعد مالِ تجارت دریا میں غرق ہوگیا۔ غربت آئی تو غلام بھاگ گئے۔''

میں نے کہا: 'اللہ تم پر رحم کرے، اس پر خوشی کیسی؟'

وہ کہنے لگی: 'پہلے میں اس لیے غمگین تھی کہ مجھے یہ خطرہ تھا، کہیں اللہ نے میری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دے دیا ہو، اب ساری نعمتیں چھن گئی ہیں تو یقین ہے، آخرت میں ملیں گی، اسی لیے خوش ہوں۔'

تنبیہ الغافلین از ابو اللیث

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

☆ پچھلے دنوں ہر دل عزیز چاچو مدیر جی نے لکھنے کی ابتدا کے لیے نہایت ہی عمدہ نصیحت کی کہ اپنے روزمرہ کے حالات و واقعات کو اپنی ڈائری میں لکھا کریں تو آپ کے پاس کچھ ہی برسوں میں اچھا خاصا مواد جمع ہوجائے گا اور اس میں سے کچھ نہ کچھ اگر آپ ارسال کریں تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ چھپ بھی جائے گا۔ اسی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ڈائری لکھنے کا آغاز کیا۔ اور یقین کیجیے کہ ابھی چند ہی صفحے لکھے تھے کہ بہت سارے واقعات جمع ہوگئے۔ ایک واقعہ تو فوراً لکھنے اور بھیجنے کے لیے دل مچلنے لگا، بھیج رہے ہیں، اللہ کرے چھپ جائے۔

(محمد روبیفع خان۔ ملتان)

ج: مشورے پر اتنی جلدی عمل درآمد کا جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اور دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے چاہ لیا اور اسی شمارے میں چھپ بھی گئی آپ کی تحریر۔

☆ کافی مصروفیات کی بنا پر کچھ وقت سے شماروں کا مطالعہ نہ ہوسکا تھا اور اب ایک ساتھ ہی شمارہ ۱۰۹۷ سے ۱۱۰۱ تک پانچ شماروں کا مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ ایک سے بڑھ کر ایک تھیں سبھی کہانیاں، لیکن قلم اٹھانے پر جن تحریروں نے مجبور کیا، وہ ہیں ان شماروں کی سلسلہ وار تحریر جن میں میر حجاز سر فہرست ہے۔ بہترین انداز اور اسلوب ہے۔ ہر ہر واقعے کو بہت مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا ہے اور پھر چار پانچ اقساط ایک ساتھ پڑھنے کا الگ ہی مزہ تھا۔ دوسرے نمبر پر سفرنامہ ان کے کوچے میں۔ لاجواب سفرنامہ ہر ایک واقعے اور جگہ کی مکمل تفصیل اور معلومات کے ساتھ کسے پڑھتے ہوئے رکنے کا دل ہی نہ چاہتا تھا۔ تیسرے نمبر پر حافظ عبدالرزاق خان کے قلم سے بہترین تحریریں۔ غرض شماروں کو ایک ساتھ پڑھنے کا بھی الگ ہی مزہ ہوتا ہے۔

(نورالہدیٰ شاہ نورالنبی شاہ، ٹنڈو الہ یار)

ج: اب اس لطف کی خاطر کہیں شمارے جمع کر کے نہ پڑھنا شروع کردیجیے گا! پانچ شماروں پر ایک ساتھ تبصرہ چھاپنا مشکل ہوجائے گا۔

☆ جب بھی میں شمارے خریدنے کے لیے چالیس کلومیٹر کا سفر طے کر کے جھنگ جاتا ہوں تو سب سے پہلے شماروں کی ورق گردانی کرنے لگتا ہوں۔ اگر ہماری کوئی تحریر یا خطوط وغیرہ شائع ہوئے ہوں تو ایک سے زیادہ شمارے خرید لیتا ہوں۔ ایک شمارہ اپنے پاس محفوظ کرلیتا ہوں، باقی شمارے اپنے جاننے والوں کو ہدیہ کردیتا ہوں۔ اس بار بچوں کا اسلام شمارہ ۱۰۹۶ خرید کر اپنے گھر پہنچا تو شمارہ بیٹی منیبہ جاوید کو دیا اور کاموں میں مشغول ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد بیٹی بڑے زور و شور سے ابو جی ابو جی پکارتے ہوئے کہنے لگی کہ پہلے مجھے مشروب پلائیں پھر آپ کو بڑی خوش خبری سناؤں گی۔ کہنے لگی چاچو حاجی نے اپنی دستک میں آپ کا نام لکھا ہے! ''ان کے کوچے میں'' پڑھ کر مجھے وہ دن یاد آنے لگے، جب ہم بھی عصر کی نماز کے بعد جنازے کے ساتھ جنت البقیع جایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے مجھے پھر بلائے، آمین! آمنے سامنے میں انیس بہن بھائیوں سے ملاقات ہوئی، کمی تھی تو صرف ہماری اور منیبہ جاوید کی۔

(حاجی جاوید اقبال ساقی۔ چک احمد آباد، اٹھارہ ہزاری، جھنگ)

ج: اس بار ہم نے آپ کو کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

☆ شمارہ ۱۰۹۰ رنگا رنگ کہانیوں کے سرورق کے ساتھ ہاتھوں میں ہے۔ 'بچوں کا اسلام اور آل پاکستان ٹور' نے تو ہمیں 'خیالی پلاؤ' کے مزے کرادیے۔ ویسے پندرہ روزہ سفر کے بارے میں بتاتے تو چلیں کہ کیسا گزرا؟ (**لکھنا تھا مگر حسب عادت مؤخر ہوتا جارہا ہے**) 'ایک لکیر، ایک سبق' دوسروں کو نیچا دکھائے بغیر، اپنا آپ پیدا کرنے کا ہنر سکھاتی یہ تحریر کمال ہے۔ 'میر حجاز' نجاشی کے دربار تک رسائی تو حاصل کرلی کفارِ مکہ نے مگر منصف بادشاہ نے یکطرفہ فیصلہ کرنے کی سختی سے مذمت کردی۔ یہ ہوتی ہے اصل پسپائی! 'اذان' کیا ہی قابلِ رشک موت پائی موذن صاحب نے۔ 'ان کے کوچے میں' معلوماتی تحریر رہی۔ کعبۃ اللہ میں بارش کا خوب صورت منظر دیکھنے کی سعادت ہر کسی کو نصیب ہو۔ آمین! 'مسکراہٹ کے پھول' بھلکڑ پروفیسر نے تو حد ہی کردی۔ 'آمنے سامنے' میں ہمارے خط کے جواب میں آپ نے جو کہا اس نے ہمیں 'کوئی بات نہیں جی' کہنے پر مجبور کردیا۔ 17 خطوط کے سنگ خوب صورت محفل اختتام پذیر ہوئی اور ہم چلے اگلی محفل تک کے انتظار میں۔ شمارہ 1091 میں 'ایک تصوراتی سفر کی روداد' جگہ جگہ پڑاؤ کی مختصر مگر دلکش روداد ہے گویا چشمِ تصور میں ہم بھی محوِ سفر ہیں۔ ڈاکٹر نوید احمد کی یاد میں' لکھی تحریر غمزدہ کر گئی۔ بھائی نے ہمیں ان کی وفات کے فوری بعد ہی اطلاع دی تھی مگر ہمیں بالکل یقین نہ آیا۔ اللہ جی اس مشکل وقت میں ان کے خاندان کا سہارا بن جائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں، آمین! 'مسکراہٹ کے پھول' مزے دار رہے۔ یہ وزارت کافی عرصے سے خالی پڑی تھی، اقصیٰ بہنا نے بڑی ذمے داری سے یہ فرض اپنے ذمے لیا ہے۔

(اقرا آفرید۔ پنڈی گھیب، اٹک)

ج: اللہ تعالیٰ ان کی ہمت سلامت رکھیں، آمین!

☆ شمارہ نمبر ۱۱۰۳ میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی ترغیب دی گئی۔ 'سکہ رائج الوقت' ہماری روز مرہ زندگی میں پیش آنے والی واقعات کی آئینہ دار رہی، آخر میں سبق بہت عمدہ دیا گیا۔ 'میں بڑا ہوکر کیا بنوں؟' بچوں کی نفسیات کو اجاگر کرتی تحریر رہی۔ دستک میں الف نمبر کے مقالے کی خبر ملی جو بلاشبہ اس عظیم الشان شمارے کے لیے بہت اہم بات ہے کہ اب یہ یہ نمبر سرکاری ریکارڈ میں بھی محفوظ ہوگیا ہے۔ 'سونے کی اینٹ' زندگی کی حقیقت کو اجاگر کرتی تحریر رہی۔ 'وہ ایک قدم' علی اکمل تصور صاحب کی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی کہانی تھی، ہم ہر وقت اپنے ملک کے بارے میں شکوہ کرتے نظر آتے ہیں، کیا کبھی ہم نے سوچا ہے کہ ہمارا کردار اس ملک کی ترقی کے حوالے سے کیا ہے؟ 'سورج کی کرن نے کیا دیکھا؟' خوبصورت انداز میں لکھی گئی تحریر جس میں عمدگی سے صبح جلدی اٹھنے کے بارے میں اچھا سبق دیا گیا۔ 'بڑے قد والا' رلا دینے والی تحریر رہی۔ ماحول سے مطابقت اچھا سائنسی مضمون رہا۔

(محمد دانیال حسن چغتائی کہروڑ پکا ضلع لودھراں)

ج: جی ہاں! اَلف نمبر کا یہ بھی ایک ریکارڈ بن گیا ہے الحمدللہ!

☆☆☆

۲۳

آپ کتنے پانی میں ہیں؟

درج ذیل سوالات کے جوابات سوچیے، پھر انھیں ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں۔ اگلے ہفتے کے شمارے میں جوابات شائع ہوں گے تو اس سے اپنے جوابات ملا لیجیے۔

آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں......!

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کون سے پیغمبر ہیں جن کے باپ نہیں تھے؟

(۲) امت محمدیہ کے امین کا نام بتائیے؟

(۳) پہلی بحری اسلامی فوج کن کے زمانے میں قائم ہوئی؟

(۴) اشک آباد ایک شہر کا نام ہے، بتائیے یہ کس ملک کا دارالخلافہ ہے؟

(۵) سائنس میں ''نیوٹن'' کس چیز کی اکائی ہے؟

☆☆☆

اریحا

عبداللہ خان

فلسطین کا ایک قدیم ترین شہر

عرب میں خاص حرمین شریفین کو چھوڑ کر خطۂ شام میرا پسندیدہ ترین خطہ ہے۔ اُس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ یہ انبیاء کی سرزمین ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبوں کی بنیاد یہی خطہ ہے۔

یاد رہے کہ شام سے مراد محض اِس وقت کا ملک شام (syria) نہیں بلکہ کچھ عرصہ قبل تک فلسطین، اردن، شام اور لبنان سمیت پورے خطے کو شام کہا جاتا تھا۔

بہرحال جہاں تک خطۂ شام میں خاص فلسطین کی بات ہے تو اس کی تاریخ یوں بتائی جاتی ہے کہ جس زمانے میں لوگ ایک جگہ رہنے کی بجائے تلاشِ معاش میں چل پھر کر زندگی بسر کیا کرتے تھے، عربستان سے قبیلہ سام کی ایک شاخ جو کنعانی یا فونیقی کہلاتی تھی، ۲۵۰۰ قبلِ مسیح میں یہاں آ کر آباد ہوگئی۔

پھر آج سے چار ہزار سال پہلے یعنی لگ بھگ دو ہزار قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام عراق کے شہر اُر (UR) سے جو دریائے فرات کے کنارے آباد تھا، ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس میں، جبکہ دوسرے بیٹے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔

حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب (علیہما الصلوٰۃ والسلام) تھے جن کا نام اسرائیل بھی تھا۔ اُنھی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

حضرت یعقوب، ان کے بیٹے حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحیٰی، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام سمیت بہت سے دیگر پیغمبر اسی سرزمین میں پیدا ہوئے یا باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ اسی مناسبت سے یہ خطۂ زمین یعنی فلسطین پیغمبروں کی سرزمین کہلایا۔

اب ہم بات کرتے ہیں فلسطین کے اُس شہر کی جسے دنیا کا قدیم ترین آباد شہر کہا جاتا ہے۔ یعنی دنیا کے قدیم ترین شہروں میں وہ شہر جو ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ابھی تک مستقل آباد ہیں۔ اُن میں فلسطین کا شہر اریحا اور ملک شام کا شہر دمشق سرفہرست ہیں۔

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے وقت میں بھی تہذیب یافتہ شہر تھے اور آج تک مسلسل آباد ہیں۔

اریحا جس کے مقامی زبان میں معنی ''خوشبودار'' ہیں، مغربی کنارے کا ایک فلسطینی شہر ہے۔ یہ وادیِ اردن میں واقع ہے، جس کے مشرق میں دریائے اردن اور مغرب میں یروشلم واقع ہے۔ ۲۰۰۷ء میں اس کی آبادی (18,346) تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ شہر دس ہزار سال سے مستقل آباد ہے۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اریحا میں ۲۰ سے زیادہ بستیوں کی باقیات کا پتا لگایا ہے، جن میں سب سے قدیم بستی آج سے دس ہزار سال پرانی تھی۔

اس شہر کی قدامت کی جڑیں زمینی تاریخ کے ہولوسین دور کے آغاز سے جا جڑتی ہیں۔

ماہرین کہتے ہیں کہ مڈل اسٹون ایج کے زمانے کا شہر اریحا پہلا انسانی مرکز تھا جو ایک فصیل بند شہر تھا جو پتھروں سے بنائی گئی تھی، جس کے آثار تل سلطان سے ملے ہیں۔

شہر اور اس کے اردگرد بہتے چشموں نے ہزاروں سالوں سے انسانیت کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ وہ اسے اپنی رہائش کے لیے اختیار کرے۔ اُس وقت بھی اس شہر کے باسیوں نے مٹی اور بھوسے سے بنائی گئی اینٹوں کو گارے سے جوڑ کے مضبوط گھر بنا رکھے تھے۔ اریحا ہی کو انجیل میں کھجور کے درختوں کا شہر کہا گیا ہے!

چھ ہزار قبل مسیح تک یہاں کے لوگ جو شام اور اس سے ملحقہ علاقوں سے اس جگہ آباد ہونا شروع ہوئے تھے۔ انھوں نے کھیتی باڑی اور مٹی کے برتن بنانے کا کام یہاں شروع کیا۔

فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کے بعد سے یہ شہر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۷ء تک مغربی کنارے کے ساتھ اردن کے ماتحت تھا۔

۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران میں اُس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا، تاہم ۱۹۹۴ء میں اس کا انتظامی کنٹرول فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دیا گیا۔